

The Semantic Dimensions of Hali's Articles

مقالاتِ حالی کی معنوی جہات

Samia Bibi

M. Phil Scholar, Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad

Email: samiarana16@gmail.com

سمیعہ بی بی

ایم فل اسکالر، شعبہ اردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

Most of the articles have been included in the papers that contain reformed articles by subject. Hali devoted his life to the reform and development of nations, leaving behind their personal and their personal interests. Hali's articles have a unique place and status in Urdu literature due to their belief in spirituality and modern ideological subjects. In these articles of Hali, diverse topics drawn from modern ideas and ideas have been very well woven. Each word of these articles creates different semantic dimensions. They are semantically effective and appealing statements. Understanding his essays is not beyond the comprehension of the general reader, but he adopts a style of writing that does not burden the human mind in understanding the meaning of the thesis. From every sentence, many semantic aspects emerge and the river of sincerity flows.

Keywords: Semantic, Dimensions, Altafa Hussain Hali, Articles



Copyright: © 2023
by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

مقالاتِ حالی میں زیادہ تر وہ مقالات شامل کیے گئے ہیں جو موضوع کے اعتبار سے اصلاحی مضامین پر مشتمل ہیں۔ آغاز کے ساتھ ہی اس دنیا پر لاتعداد انسانوں نے جنم لیا اور آلِ آدم کی پیدائش کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مگر کچھ ہی انسان

ایسے ہوتے ہیں جو اپنے کارناموں کی وجہ سے تاریخ کا حصہ بنتے ہیں۔ وہ انسان جو اپنی ذاتیات اور اپنے ذاتی مفادات کو پس پشت ڈال کر قوموں کی اصلاح اور ترقی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ حالی کا شمار بھی ایسے ہی انسانوں میں ہوتا ہے۔ اس حوالے سے شمیم جہاں اپنے ایک مقالہ ”سرسید اور حالی کی اصلاحی تعلیمی و تحریک و نظریات“ میں رقمطراز ہیں:

”تخلیق کائنات کے بعد اربوں کھربوں انسان عالم وجود میں آئے اور قیامت تک یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ لیکن ان میں کتنے خوش نصیب ہیں جو تاریخ کا حصہ بنے اور جن کے کارنامے تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہیں۔ جنہوں نے قوموں کی راہیں ہموار کیں، جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی حاصل کرنے میں ان کی مدد کی، جن کی زندگی ملک و قوم کے لئے وقف ہو گئی۔ انہیں اہم شخصیات میں سے دو شخصیت مولانا حالی اور سرسید احمد خاں ہیں۔“ (۱)

مقالاتِ حالی حصہ اول میں متفرق مضامین شامل ہیں جن میں طویل مضامین بھی ہیں اور مختصر بھی۔ یہ مضامین معنویت اور جدید نظریاتی مضامین کے اعتبار سے اردو ادب میں منفرد مقام و مرتبے کے حامل ہیں۔ حالی کے ان مقالات میں جدید خیالات و نظریات سے کشید شدہ متنوع موضوعات کو نہایت عمدگی سے باندھا گیا ہے۔ حالی کے یہ مقالات نہ صرف اپنے عہد میں اہمیت کے حامل تھے بلکہ عہدِ حاضر تک ان کا مقام و مرتبہ قائم ہے۔ ان مقالات و مضامین کے حوالے سے ظہیر احمد صدیقی بداعوانی رقمطراز ہیں کہ:

”ان مضامین میں حالی نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ ان کا اندازِ بیاں سادہ اور سلجھا ہوا ہے اور متانت اور سنجیدگی کو کہیں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ پروفیسر گرہم بلی حالی کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ”حالی کی طرزِ نگارش اور اسلوبِ بیان مصنوعی آرائش اور تصنع سے مبرا ہے۔“ (۲)

ان مقالات کے ایک ایک لفظ سے مختلف معنوی جہات پیدا ہو رہی ہیں۔ وہ معنوی اعتبار سے مؤثر اور دلنشین پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں۔ ان کے مقالات کو سمجھنا عام قاری کے فہم سے بالاتر نہیں ہے بلکہ وہ ایسا اندازِ تحریر اپناتے ہیں کہ جس سے مقالے کے مفاہیم کو سمجھنے میں انسان کے دماغ پر بوجھ نہیں پڑتا۔ ہر ہر جملے سے کئی معنوی پہلو ابھرتے ہیں اور خلوص و روانی کا دریا بہتا چلا جاتا ہے۔ حالی کے جتنے بھی ہم عصر قلم کار تھے سبھی صاحبِ طرز تھے۔ لیکن زندگی محض حالی کے طرزِ تحریر کو عطا ہوئی۔ اس کا سبب بھی یہی تھا کہ حالی نے اپنے مضامین میں معنویت پیدا کی۔ آزاد کے ہاں صناعی، نظیر احمد کے ہاں زورِ بیاں، سرسید کے ہاں سادگی، شبلی کے ہاں رنگینی سبھی اپنی اپنی جگہ بہت عمدہ ہیں تاہم نثر نگاری یا مقالہ نگاری میں جو رجحان حالی نے پیدا کیا وہ کسی اور کے ہاں نظر نہیں آیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کی شخصیت ایک عہد ساز شخصیت تھی۔ قدرت کی طرف سے انہیں گونا گوں اور رہمہ جہت صلاحیتوں سے نوازا گیا۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کے پیشِ نظر انہیں قوی مصلح، عظیم تعلیمی رہنما اور مفکر و فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ مؤرخ، سیرت نگار، دوراندیش نقاد، اعلیٰ پائے کے شاعر اور مقالہ نگار بھی کہتے ہیں۔ حالی کی نثر میں ادبیت و جاذبیت کا اندازہ لگانے کے لیے اگر مبصرین کے تبصروں کا جائزہ لیں تو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انفرادی طرزِ تحریر کے حامل تھے جیسے کہ ڈاکٹر صفدر امام قادری اپنے مقالہ حالی کی نثر غیر افسانوی اسلوب میں رقمطراز ہیں:

”کلیم الدین احمد نے جو بات ”مقدمہ شعر و شاعری“ کے سلسلے سے کہی، کیا زبان و اسلوب کی بحث میں ہم حالی کی نثر کی دوسری کتابوں کے بارے میں وہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے؟“ یادِ گارِ غالب، ”حیاتِ جاوید“، ”مقالاتِ حالی“ میں سے ہر کتاب اس عہد کی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ سب کی زبان ایک دوسرے سے کسی خاص سلسلہٴ خیال سے متصل ہو جاتی ہے اور کم و بیش اس عہد کے اجتماعی تصور کے عین مطابق ڈھلنے کی کوشش کرتی ہے۔ سرسید میں روکھاپن بچا رہ گیا، نذیر احمد محاورات کی چاشنی میں الجھ جاتے ہیں، آزاد کو انشاء پر دازی عزیز ہے اور شبلی رومان پرور فضا کے بغیر کب قدم بڑھانے والے تھے۔ سب نے اُس عہد کے اجتماعی ذہن سے مقدور بھر کام لیا مگر سب اپنے ذاتی اسلوبیاتی مدار پر قائم رہنے کی ضد پر

بھی اڑے رہے۔ ان میں صرف اور صرف حالی ہیں جنہوں نے اس عہد کے اجتماعی مزاج اور ضرورتوں کی بنیاد پر ایک ایسا ذہن و اسلوب تیار کیا جو صد فیصد اس تحریک کی نمائندگی کرتا ہے اور یہ وہی اسلوب ہے جو آنے والے وقت میں اردو نثر میں نادرہ نور بن سکتا ہے۔ اس لیے علی گڑھ تحریک سے برآمد ذہنی سطح پر جو سب سے مستحکم اسلوبیاتی سانچے ہمارے سامنے آتا ہے وہ حالی کا بنایا ہوا ہے۔ (۳)

نثری میدان میں حالی نے بیش بہا ادبی ترکہ چھوڑا ہے اور بحیثیت نثر نگار ان کا مقام و مرتبہ بحیثیت شاعر کے کم نہیں ہے۔ حالی کے میدان ادب میں قدم رکھنے سے قبل اردو نثر کا میدان عنوانات کے اعتبار سے بہت محدود تھا۔ محض قصے داستانوی اور مذہبی کتابوں کو نثر کا حصہ بنایا جاتا تھا۔ حالی نے بھی ابتدائی عہد میں مذہبی، یا نیم مذہبی نظریات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا۔ سب سے پہلے سرسید احمد خان نے بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور تعلیمی حالات میں اس کو دیکھ لیا کہ اب ہندوستان میں فارسی کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ اس کے بجائے اردو کو فروغ دیا جا رہا ہے اور دینا چاہیے تاکہ ان کے خیالات آسانی سے ادا کیے جاسکیں۔

سرسید نے جب اپنا رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ جاری کیا تو اس کا بنیادی مقصد اصلاح تھا۔ اس رسالے نے اردو زبان کو بہت وسعت دی جس سے اردو زبان اس قابل ہو گئی کہ زیادہ سے زیادہ علمی و ادبی اور سنجیدہ مضامین ادا کیے جاسکیں۔ سرسید کے زیر اثر جن مصنفین نے اردو زبان کے فروغ میں شمولیت اختیار کی ان میں شبلی، نذیر احمد اور مولوی ذکا اللہ کے ساتھ ایک بڑا نام الطاف حسین حالی کا بھی تھا۔

بہت سے لوگوں کو اعتراض تھا کہ حالی کی نثر سپاٹ اور خشک ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو علمی و فکری مضامین کے اسالیب اور ہیئت سے واقف نہیں تھے۔ دراصل حالی کی نثر میں صحت و وضاحت، خیال، متانتِ بیان اور روانی پائی جاتی ہے۔ حالی کی تحریروں، ان کے اندز نگارش، ان کے اسلوب بیان کی بناوٹ، مصنوعی آرائش اور تصنع کا دخل نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی تحریریں سادہ اور رواں ہیں تاہم ان میں زور اور صحت موجود ہے اور ان سے کئی معنوی جہات کھلتی ہیں۔

حالی کے جتنے بھی ہم عصر تھے وہ سب ہی صاحبِ طرز تھے لیکن حالی وہ واپس مصنف تھے جنہوں نے اپنی نگارشات کو اپنے اسلوب اور خیالات کی آمیزش سے زندہ جاوید بنایا۔ ان کی ایک تحریر میں اندازِ نگارش دیکھیے:

”تیرھویں صدی ہجری میں جب کہ مسلمانوں کا تنزل درجہ غایت کو پہنچ چکا تھا اور ان کی دولت، عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل اور کمالات ایسے جمع ہو گئے تھے جن کی صحبتیں اور چلے عہدِ اکبری و شاہ جہانی کی صحبتوں اور جلسوں کو یاد دلاتی تھیں۔۔۔ اگرچہ جس زمانے میں کہ پہلی ہی بار راقم کا دلی جانا ہوا، اس باغ میں پت جھڑ شروع ہو گئی تھی، کچھ لوگ دلی سے باہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے؛ مگر جو باقی تھے اور جن کے دیکھنے کا مجھ کو ہمیشہ فخر رہے گا، وہ بھی ایسے تھے کہ نہ صرف دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی ویسا اٹھتا نظر نہیں آتا کیونکہ جس سانچے میں وہ ڈھلے تھے، وہ سانچا بدل گیا اور جس ہوا میں انھوں نے نشوونما پائی تھی۔ وہ ہوا پلٹ گئی۔“ (۴)

حالی کے پاس لفظوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان ذخیرہ الفاظ میں سینکڑوں متروک الفاظ بھی شامل تھے اور حالی نے ان متروک الفاظ کو ایسا بر محل اور موزوں استعمال کیا اور انہیں خوبصورتی سے بٹھایا جیسے نگینے جڑ دیئے گئے ہوں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے بہت سے ہندی الفاظ اُردو ادب میں شامل کیے جو اس عہد کے اہل قلم کی نظروں سے اوجھل تھے اور جنہیں کبھی کسی اُردو قلم کار نے استعمال نہیں کیا تھا۔ اُردو مصنفین سے قطع نظر ہندوی ادیبوں اور شعراء نے بھی ان میں سے اکثر الفاظ کو نہیں برتا تھا۔

ان الفاظ کو بر محل اور صحیح انداز میں حالی نے استعمال کیا اور ایسے استعمال کیا کہ ان کی نگارش میں جان پڑ گئی۔ یہاں تک کہ ان کے معاصرین کو حالی کے کمالِ نگارش کا اعتراف کرنا پڑا۔

حالی کو ہندی زبان کے نرم و شیریں، خوبصورت اور سلیس الفاظ سے واقفیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کو بڑی عمدگی اور سلیقے قرینے سے استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ انگریزی ایک بدیسی زبان تھی جس سے حالی کی کچھ زیادہ واقفیت نہیں تھی۔ تاہم انھوں نے انگریزی الفاظ کو بھی بڑی عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر پولیٹیکل، اکانومی، لٹریچر، نیچر، ریفارمر

وغیرہ اس طرح کے بے شمار انگریزی کے الفاظ حالی کے ذخیرہ الفاظ میں ملتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر صفدر امام:

”ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ حالی نے ۱۸۷۴ء میں ”مجالس النساء“ لکھ کر ڈپٹی نذیر احمد کے کام ہی کو آگے بڑھایا تھا۔ لیکن حالی پھر ناول نگاری کی طرف نہ پلٹے۔ شاعری اور غیر افسانوی نثر کی دنیا انھیں کچھ ایسی بھائی کہ پھر وہ وہاں کے مستقل باشندہ ہی ہو گئے۔ حالانکہ ”مسدس حالی“ کو بہ غور پڑھا جائے یا حالی کی بہت ساری نظموں کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ حالی کی بہت ساری نظموں کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ حالی میں قصہ گوئی کی صلاحیت بھی کم نہ تھی۔ قصے کو وہ پُر در و بنانا بھی جانتے تھے۔ لیکن وہ بنے تھے۔ ہمارے غیر افسانوی ادب کی مزاج سازی کے لیے۔ انھوں نے اپنی تصانیف سے ایسے عملی نمونے پیش کیے جن کی بنیاد پر آئندہ عہد میں نثر کا کوئی بھی صنفی نمونہ تیار کیا جاسکتا تھا۔ ”یادگار غالب“ اور ”حیات جاوید“ کو سوانح نگاری کی دستاویز اور ”مقدمہ شعر و شاعری“ یا ”مقالات حالی“ کو صرف تنقید کی کتاب سمجھیں تو یہ شدید نا انصافی ہوگی اور ایسا محسوس ہوگا کہ ہم نے اپنے اسلاف کے کارناموں سے جی لگا کر نہیں سیکھا۔ یہ کتابیں ہمیں اس سے زیادہ روشنی بخشتی ہیں۔“ (۵)

اپنے مقالات و مضامین میں مولانا الطاف حسین حالی نے نئے نئے اور مختلف اقسام کے موضوعات پر طبع

آزمائی کی۔

مولانا الطاف حسین حالی کے مقالات میں حد درجہ تاثیر ہے۔ ان کی ان نگارشات سے ان کا حلقہ قرأت بے حد متاثر ہوا۔ اور آج تک نہ صرف عام قاری بلکہ ناقدین و مبصرین کی نظر میں بھی ان کے یہ مقالات بے حد مقبول ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ان کے مقالات مختصر، عام فہم اور جامع ہوا کرتے تھے۔ حالی کو سلیس اور با مقصد اردو نثر نگاری کے اعتبار سے خاص انفرادیت حاصل ہے۔ ان کے ہاں لفاظی اور عبارت آرائی کے بجائے صفائی، سادگی اور سلاست موجود ہے۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ

تحریر

مجلہ زبان و ادب

جلد ۰۲ شماره ۰۱، ۲۰۲۲

مضمون کو عام فہم اور رواں کرنے کی کوشش میں کبھی کبھی قواعد زبان سے دور نکل جاتے ہیں۔ تاہم ان کی زبان میں سلاست اور روانی باقی رہتی ہے۔ مولانا الطاف حسین کو صنف مضمون میں اولین مضامین نگاروں میں سمجھا جاتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے مقالات میں ایسے نظریات سامنے آتے ہیں جو روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں اور جو فکر انسانی کو جلا بخشتے ہیں۔ ان کے ہاں طرز کے ساتھ ساتھ خیال کو بھی یکساں اہمیت ملتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مضامین احساسات و جذبات کے بجائے عقل و شعور کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کے مقالات میں زیادہ تر اصلاحی مقالات شامل ہیں جن میں سرسید احمد خان اور علی گڑھ کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان مقالات سے قطع نظر حالی کے دیگر مقالات میں علمی، ادبی، عمومی اور مذہبی نوعیت کے مقالات شمار ہوتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کا طرزِ تحریر زیادہ تہذیب و تمدن، شائستگی رسم و رواج اور دیگر سماجی عنوانات تک محدود نہیں رہا بلکہ انہوں نے کئی دوسرے موضوعات بھی قلم بند کیے جو وقت کی ضرورت بھی تھے اور ان کی مجبوری بھی۔

اگرچہ سرسید احمد خان کی صحبت کی وجہ سے وہ اصلاحی متن تخلیق کر رہے تھے تاہم یہ ان کے ذاتی ذہنی میلانات کا نتیجہ تھا کہ وہ اخلاقی و تعلیمی عمود سے مکمل طور منسلک رہے۔ اسی سبب ان کے زیادہ تر مقالات اخلاقیات اور علم و فکر کو مہیز کرتے ہیں۔ البتہ سیاسی امور اور ملکی مسائل پر بھی وہ بلا واسطہ کھل کر بات کرتے ہیں۔ حالی نے جب مضمون نگاری کا آغاز کیا تو انھوں نے قدامی نگارشات سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب حالی کے استاد تھے۔ لہذا وہ ان کی نگارشات بالخصوص خطوط سے متاثر تھے۔ تاہم انھوں نے جو کچھ بھی تحریر کیا ان میں اصلاح کے پہلو کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ کچھ مضامین ان کے خالصتاً اصلاحی تھے لیکن دیگر مضامین میں بھی جو کہ متفرق موضوعات پر مبنی تھے۔ بار بار اخلاقیات کے نکات اخذ کر لیتے تھے۔

مذہبی مباحث

مذہبی افکار کے اعتبار سے جب کالم نگاری کا ذکر کرتے ہیں تو الطاف حسین حالی کا نام بے ساختہ زبان پر آ جاتا ہے۔ حقیقتاً دیکھا جائے تو حالی کے تمام تر مقالات کی اساس مذہب ہی ہے۔ حالی کا شمار اُردو کے ابتدائی کالم نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُردو کا مقصدی، مذہبی اور ادبی مضمون نویسی کا وہ سنہری دور مولانا الطاف حسین حالی سے ہی شروع ہوتا ہے۔ جس نے برصغیر پر بے

شمار معنی خیز پاروں کو جنم دیا۔ ایسے فن پارے جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

حالی کے خیال میں ہر مذہب ایک مدت کے بعد اپنی اصلیت سے متجاوز ہوتے ہوئے صرف ایک تو مار تویل ذیل ہو جاتا ہے۔

اصل میں مذہب میں قصے کہانیاں، جھوٹے رسم و رواج، تعصبات اور غلط عقائد داخل ہو کر مذہب کی صورت بگاڑ دیتے ہیں۔ حالی کا دور ہندوستان میں صنعتی دور کی ابتداء کا دور تھا۔ حالی کو اندازہ تھا کہ صنعتی دور میں جاگیر داری دور کی نسبت زندگی کی مصروفیات اور کسب معاش کی مشکلات بڑھ جاتی ہیں کیونکہ حالی جس اسلام کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے اگر اسی کو اسلام سمجھ لیا جاتا تو کسی شخص کو دین کی ادائیگی سے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ ان کے خلاف آواز بلند کر سکیں اور ذلت و خواری سے بھی اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھر سکے۔ ایسے حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے حالی کو خوف تھا کہ کہیں مذہب کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گل نہ ہو جائے۔ ان کے ہاں دنیا کی بہبودی یا دین کی کامیابی مقتضائے وقت کی موافقت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

اصل میں یہ سرسید کا نظریہ تھا۔ حالی بھی اس نظریے کے علمبردار تھے۔ حالی ”الدین یسر“ کو مذہبی اصلاح کا معیار قرار دیتے تھے۔ انھوں نے قرآنی حوالہ جات اور احادیث کی دلیلوں سے یہ ثابت کیا کہ دین مشکل نہیں بلکہ سہل ہے۔ اہل کتاب کا کھانا مسلمانوں کے لیے حلال ہے، لونڈی اور غلاموں کو جگہماگہ اسلام میں آزاد قرار دیا گیا ہے اور وہ تقدیر کے نہیں تدبیر کے جواز پیش کرتے تھے۔

حالی کے نزدیک تقدیر مختلف اسباب کی تاثیر کے علاوہ کچھ اور چیز نہیں ہے۔ اصل چیز تدبیر ہے توکل، محنت اور خدا پر بھروسہ کرنا ہے۔

حالی کا اسلامی ملکوں سے بہت گہرا تعلق تھا۔ وہ اب بھی ترکی کے خلیفہ کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ اخوت اسلامی کے بڑے حامی تھے۔ جب ترکی سلطنت پر کوئی مصیبت آتی تو حالی بھی جذباتی ہو جاتے تھے۔ ان کے لہجے میں غصہ اور تلخی در آتی تھی۔ ترکی کی خستہ حالی کو دیکھ کر وہ یورپ کی ظالمانہ روش کا اندازہ لگاتے ہیں کہ کس طرح سے ترکی کا ہٹوارہ کر کے ہڑپنے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ وہ اتحاد اسلامی کے علمبردار نہیں تھے۔ بین اسلامی ازم کی تبلیغ بھی نہیں کرتے تھے۔ تاہم ان کے ہاں اسلامی ممالک سے گہری ہمدردی اور وابستگی کا جذبہ ملتا ہے۔

حالی کی مذہبی فکر سے معنویت کی کئی کوئلیس پھوٹتی ہیں۔ حالی سے قبل اپنی ہیئت کے اعتبار سے مذہب اسلام ایک ایسا دائرہ تھا جس کے عقائد و نظریات مسلمانوں کو اس دائرے کے اندر پابند کرتے تھے۔ دنیاوی ترقی کے لیے اس دائرے سے باہر نکلنا پڑتا تھا جو مصلحین کی نظر میں مذہب کے خلاف خیال کیا جاتا تھا۔ لہذا دنیاوی ترقی کی خاطر مذہب کو رد تو نہیں کیا جاسکتا تھا تاہم اس میں اتنی گنجائش تھی کہ مذہبی عقائد و نظریات کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جاسکتا۔ تاکہ مسلم قوم کی ترقی کے راستے کھل جاتے اور وہ اپنی منزل کی جانب رواں ہو جاتے۔ بقول مظہر مہدی:

”مذہب اسلام کے عقائد و نظریات کو درست کرنے کی حالی کی کوشش، بدلتے ہوئے معاشی حالات (اقتصادی بنیاد) سے ان کی مطابقت تھی اور یہ یک وقت اسلامی کے تقاضوں میں Modification مسلم معاشرے کی اقتصادی بنیاد کو بہتر بنانے کی کوشش تھی۔ اس طرح حالی نے بنیاد اور ڈھانچہ دونوں سطحوں پر معاشرے کی اصلاح کا خیال ظاہر کیا اور خود اس کی جانب توجہ کی۔“ (۶)

حالی کے مذہبی افکار کو معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو مذہبی اعتبار سے انھوں نے جتنا بھی لکھا اس میں یہ عنصر کار فرما ہے کہ برصغیر کے معاشرے میں اسلام کی جو ہیئت عام ہے۔ اس میں زیادہ تر ایسے افکار شامل ہو گئے ہیں جو اس کا حصہ نہیں ہے اور یہ موجودہ انسان کو سست، کاہل، بے عمل اور قسمت پرست بنادیتا ہے۔ ساتھ ہی ان مقالات سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین اسلام کی اصل شکل کو برصغیر کے نام نہاد مسلمین نے مسخ کر دیا ہے اور اسے محض رسم و رواج کے دائرے میں مقید کر دیا ہے جو تہذیب و تمدن کی ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مذہبی افکار کے اعتبار سے مقالاتِ حالی حصہ اول میں قریباً پانچ چھ موضوعات شامل ہیں۔ جن میں سب سے پہلے حالی کی ”مناجات بارگاہ قاضی الحاجات“ قابل ذکر ہیں۔ ”انبیاء (نبی کی ضرورت پر ایک وجدانی شہادت)“ اس مقالہ میں وہ رقم طراز ہیں:

”جو باتیں انسان کو مذہب نے تعلیم کی ہیں اور جن کو وہ الہامی جانتا ہے وہ عموماً یا تو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات سے الحاق رکھتی ہیں یا اس سزا جزا سے جس کا وقت موت کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور اس لیے ہم تمام مذہبی تعلیمات کو علم مبداء و معاد کہتے ہیں۔“ (۷)

حالی کو اس بات کا ادراک تھا کہ دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں ان میں ایک خاص عرصے کے بعد کئی اقسام کے عناصر داخل ہو جاتے ہیں جو اصل میں ان ادیان کے عناصر نہیں ہوتے لیکن ان کو مذہبی مقام و مرتبہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ ان ہی عناصر کی وجہ سے مذاہب کی اصل شکل و صورت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور یہ عناصر اس وقت تک اس مذہب کے دائرہ عمل میں شامل رہتے ہیں۔ جس وقت تک کہ کوئی رہنما حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے ضرورت کے تحت اصلاح کی کوشش نہیں کرتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دین اسلام اور مسلم معاشرے کی اصلاح پر مستعد ہوئے۔

شروع میں مولانا الطاف حسین حالی عقلی اور فطری اعتبار سے دین اسلام کی تعبیر کی مخالفت کرتے تھے۔ ان کے نظریات کے مطابق انسان مبداء و معاد کی حقیقت کی دریافت کے لیے عقل کے استعمال کی صورت میں ہر جگہ ٹھوکریں کھائے گا اور راہ راست سے بھٹک جائے گا۔ اس حوالے مذکورہ بالا مقالہ قابل ذکر ہے۔

حالی کا خیال تھا کہ انسان کو اللہ نے ان معاملات کا علم دیا ہے اور اس حوالے سے عقل بھی اس کی رہنما ہے۔ لہذا مذہبی معاملات میں عقل کی مداخلت سے ممانعت کی۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا حالی کے ذہن میں پختگی آتی گئی اور وہ سائنس اور منطق اور زمانے کی ضرورت اور تقاضوں سے آگاہ ہوتے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ حالی نے جدید مغربی علوم اور سائنسی و منطقی اور استدلالی انکشافات کے تناظر میں قرآن کی تفسیر کی ضرورت محسوس کی۔

حالی کے مطابق اسلام کو مذہبی مصلحین اور رہنماؤں نے بہت مشکل بنا رکھا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً دین اسلام اس کے برعکس بہت سہل اور چمک دار ہے۔ حالی نے اپنے مقالہ ”الدین یسر“ میں ہشوزواید کو تفصیلاً بیان کیا ہے جو اسلام کی اصل روح کے مخالف ہیں۔ اپنے مقالہ ”الدین یسر“ کا آغاز وہ ان الفاظ میں کرتے:

”دین برحق کی شان یہ ہے کہ اس میں کوئی چیز انسان کو مجبور کرنے والی نہ ہو۔ نہ اعتقاد میں کوئی محال بات تسلیم کرائی جائے نہ عبادات میں کوئی بوجھ ایسا ڈالا جائے کہ عاجز بندوں سے اس کی برداشت نہ ہو سکے۔ کھانے پینے اور پہننے اور برتنے کی چیزوں میں ان کے لیے اسی قدر روک ٹوک ہو جیسے طبیب کی طرف سے بیمار کے حق میں ہوتی ہے۔ اس کا بڑا مقصد اخلاق کی تہذیب اور نفس انسانی کی تکمیل ہو۔ اس میں عبادت کے طریقے ایسے عمدہ ہوں

جن میں مشقت کم اور فائدہ بہت ہو، اس کے اصول ایسے جامع ہوں کہ ایک نیکی میں بہت نیکیاں مندرج ہوں۔ اس میں کوئی بندش ایسی نہ ہو جس میں انسان کو اپنی واجبی آزادی سے دستبردار ہونا پڑے۔ اس میں کوئی مزاحمت ایسی نہ ہو جس سے انسان پر ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں اور وہ خلافت رحمانی کا منصب حاصل کرنے سے محروم رہ جائے اور جس خان یغما سے اس کے بنی نوع بہرہ مند ہوں۔ اس میں ان کا شریک نہ ہو سکے۔“ (۸)

حالی نے اس مقالے کے ذریعے کئی معنوی پہلو اُجاگر کیے ہیں جن میں انھوں نے اس قسم کی بے راہ روی کو کئی رخنوں میں درجہ بندی کی ہے۔ سب سے پہلے حالی نے یہ سوچ رد کی کہ نبی کریم ﷺ کی جتنی بھی احادیث ہیں ان کا اطلاق بغیر کسی امتیاز زمان و مکان تمام مسلم اُمہ پر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ احادیث سے دلیلیں دے کر اپنے مدعا کی وضاحت کرتے ہیں۔ حالی نے متعدد احادیث اور واقعات کے تناظر میں ثابت کیا کہ دنیاوی امور کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی ہدایات پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔ ان کے مطابق آپ ﷺ نے اسلام کو دینی طور پر پیش کیا ہے نہ کہ دنیاوی۔ انھوں نے دنیاوی کاموں کو وقت، ضرورت اور مصلحت کے تحت ڈھالنے کی رائے پیش کی ہے اور یہ ثابت کرنے کے لیے ایسی بہت سی چیزوں کا حوالہ دیا ہے جو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں جاری تھیں لیکن بعد میں خلفاء اور صحابیوں نے مصلحت کے تحت انہیں ختم کر دیا۔

”مغربی فکر و نظر کا دریچہ پہلے پہل سرسید نے وا کیا لیکن مولانا حالی کے فیضان کا سرچشمہ کسی اور مقام سے پھوٹا ہے۔ یہ سرچشمہ کتاب ہدایت اور دینی تصورات ہیں جو انسان کو قدم قدم پر مشاہدہ کائنات سے تفکر و تدبر کا درس دیتی ہے۔ ان کے بہت مقالات کی اساس دینی تصورات ہیں۔ اسی دور میں سرسید اور ان کے بعض رفقاء علامہ شبلی، مولوی چراغ علی اور سید امیر علی قرآن کریم اور سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے عقلیت پرستی کی رو میں بہ کر الحاد انکار کی حدود میں داخل ہو گئے۔“ (۹)

حالی کے مذہبی مقالات سے اخلاقیات و اقدار کی بہتری کا عنصر نمایاں ہوتا ہے وہ اپنے مقالات میں قرآن و حدیث کے تناظر میں دلیلوں سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں ان سب کا اصلی مدعا محض انسان

کے اخلاق کو بہتر بنانا ہے۔

مذکورہ بالا مقالات کے علاوہ مقالاتِ حالی حصہ اول میں خالصتاً مذہبی حوالے سے دو اور مقالات ”قرونِ اولیٰ کی حق گوئی پسندی“ اور ”موجودہ مذہبی مناظرے“ بھی شامل ہیں۔

حالی نے ارکانِ اسلام جیسی ظاہری باتوں کے بارے میں کہا کہ وہ مقصود بالذات نہ تھیں۔ بلکہ ان کا مقصد انسان کے باطن کی اور نفس کی پاکیزگی اور اخلاقی کی درستگی تھا۔ اسی طرح ان کا نظریہ تھا کہ اسلام کے آغاز میں پاکی، نجاست اور جسمانی عبادات میں کسی قسم کی کوئی شدت نہیں تھی لیکن اس کے بعد زمانے میں دینِ اسلام مشکل اور پیچیدہ ہوتا گیا جس کے ذمہ دار علماء فقہاء اور صوفیاء ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام میں ہر طرح کی آسانی پیدا کی ہے۔ لیکن علماء نے اس کو ہر ممکن مشکل بنانے کی کوشش کی ہے۔

حالی کے مذہبی مقالات میں سے معنی کے کئی درواہ ہوتے ہیں۔ ان مقالات کے مطالعے سے ان کی گہرے شعور اور منطق کی معراج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ان مقالات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حالی کو مسلمانوں کے اس رویے پر بے حد افسوس تھا کہ انھوں نے قرآن و حدیث سے تعلیمات لینا بند کر دیں اور آنکھیں بند کر کے تقلید اور بدعت کو اسلام سمجھ لیا۔ مسلم معاشرے میں جو روایات اور طور طریقے رائج ہوئے ان کی اسلام سے کوئی نسبت نہیں تھی۔ ان کے مطابق دینِ اسلام کے دائرے میں جتنے بھی حش و زوائد دیکھنے میں آتے ہیں ان کے اسباب اندھی تقلید، بدعت اور غیر شرعی رسم و رواج ہیں۔ حالی کے مضمون ”زمانہ“ میں تقلید کو مسلمانوں میں سب سے زیادہ جمود پیدا کرنے والی اور ان کی ترقی کی معنی شے قرار دیا گیا ہے جو تجارت، زراعت، حرفت اور علم و فن کے میدانوں میں مسلمانوں کی تنزلی کی اصل وجہ ہے۔ ساتھ ہی مذہبی امور میں انھیں مجبور محض اور بے اختیار بنانے کا سبب بھی ہے۔

حالی کے نزدیک ہندوستان کے معاشرے میں مروج اسلامی تقاضے اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ اگر مسلمان ان تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے تو اسے اہل خانہ کو پالنے کے لیے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنے کا وقت بھی نہ ملے۔ ایسی صورت میں خود داری اور عزت والی زندگی گزارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ ہی دینِ اسلام کی شان و شوکت کو برقرار رکھنے کی

ہمت آتی ہے۔

مقالاتِ حالی میں شامل دینی و مذہبی موضوعات سے علوم و دینیات میں حالی کی پختگی اور استعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حالی کی شخصیت کا یہ عالمانہ رُخ ان کی متوازن اور متداول تصانیف کے بجائے صرف ان کے مضامین و مقالات ہی سے نمایاں ہوتا ہے یہ وجہ ہے کہ مقالاتِ حالی کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ادبی مباحث

مقالاتِ حالی اس لیے بھی اہمیت کے حامل ہیں کہ ہم انہیں دنیائے ادب میں مثالی فن پاروں کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی ادبی چاشنی اور معنوی جاذبیت کے ساتھ ساتھ منطقی خوبیوں اور قطعیت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ معنویت کے ساتھ ساتھ حالی کے مضامین کی ایک خصوصیت ندرتِ فکر بھی ہے۔ قاری جب کوئی مقالہ پڑھتا ہے تو اس کے موضوع پر آتا ہے۔ اپنے طور پر جس چیز کا خیال کرتا ہے۔ اس سے بالکل الگ اور نئے خیال اور نئے پہلو سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس طرح غیر متوقع خیالات اس کی دلچسپی میں اضافہ کرتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کے مقالات کا ایک وصف مفکرانہ سنجیدگی بھی ہے۔ وہ اپنے مقالات میں تدبر اور فکر سے کام لیتے ہیں اور حقائق سے پردہ کشائی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا قاری بھی غور و فکر پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ان کی بات میں جدت نہیں ہوتی لیکن وہ اندازِ تحریر ایسا اپناتے ہیں کہ قاری کو اس میں جدت نظر آنے لگتی ہے۔ انگریزی اور کلاسیکی مضمون نگاروں کی مانند مولانا الطاف حسین حالی نے طنز و ظرافت سے کام نہیں لیا البتہ ان کے مقالات میں خوش طبعی ضرور نظر آتی ہے۔

بقول مولوی عبدالحق:

”کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم ہار کر نثری شاعری کرنے لگتے ہیں۔ یہ سیوہ ضعیف ادبیت کی دلیل

ہے۔ مولانا حتی الامکان کبھی نثر میں شاعرانہ رنگ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ

یہ نہ نظم ہوتی ہے نہ نثر اور خیال کی صحت اور قوت کو ضعیف کر دیتی ہے۔“ (۱۰)

الطاف حسین حالی کی ہمہ گیر ادبی طبیعت میں ان کی تنقیدی نگاہ اور ادبی شان ہر وقت اور ہر دور میں کسی نہ کسی اعتبار

سے بحث کا موضوع رہی ہے۔ ان کی نثر میں موضوعات پر آئے روز سیمینار ہوتے رہتے ہیں اور مضامین و مقالات لکھے جاتے ہیں کوئی تنقید نگار حالی کے مقالات کو یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔ کوئی انہیں کلاسیکی روایات کا باغی بتاتا ہے تو کوئی خیالات مانوڈ، واقفیت محدود اور ان کی نظر سطحی بتاتا ہے:

”گزشتہ ایک صدی سے حالی کی شاعری، سوانح نگاری، تنقید نگاری اور ادبی کارناموں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور فی زمانہ بھی حالی کا تنقیدی سوجھ بوجھ متنازع انداز میں ہر فکر و نظر اور اہلین نقد و جرح کی محفل میں مترشح ہوتا رہتا ہے؛ اس کی کیا وجہ ہے۔۔۔؟ حالی کا وہی تنقیدی اور ترقی پسندانہ شعور ہے جس نے اس زمانے میں شعر و شاعری کی مروجہ روایات پر زبردست چوٹ کی تھی جس کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔“ (۱۱)

حالی کے ادبی مضامین میں جوش بیان، عبارت آرائی اور بے جا تشبیہات و عبارت کی بجائے ثلاثت، روانی اور ادبیت کے دیگر لوازمات بڑی عمدگی سے ملتے جاتے ہیں۔

حالی نے اپنے مقالات میں ادبیات کا عنصر پیدا کرنے کے لیے مضمون کی معنویت کو مسخ نہیں ہونے دیا۔ حالی کی ”نثر“ کا ابتدائی حصہ خالصتاً مولویانہ نہیں تھا۔ وہ عربی فارسی کے الفاظ و تراکیب کو بے دھڑک استعمال کرتے تھے۔ اس عہد میں حالی پر فارسیت کے اثرات زیادہ تھے مگر آہستہ آہستہ فارسیت کا رجحان کم ہوا اور ان کے خیالات ان کے انداز ”انداز تحریر“ سے ہم آہنگی ہونے لگی رفتہ رفتہ ان کا میلان خالصتاً اردو کی طرف ہو گیا۔ تاہم اردو کی جانب ان کا یہ دھیان خالصتاً ادبیانہ تھا۔ ان کے مقالات کے جملے الفاظ تراکیب محض کسی خاص طبقے، جماعت یا گروہ کے لیے نہیں تھے بلکہ ان کی علما اور ادبا کے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے تھی۔

تاہم رفتہ رفتہ انھوں نے اپنی زبان کو عام قاری کے ذہنوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ سرسید سے ملاقات کے بعد وہ سرسید کے نقشے قدم پر چلنے لگے یا جب ان کا مقصد صرف ”ادب برائے ادب نہیں“ بلکہ ”ادب برائے زندگی“ کی طرف ہو گیا تھا۔

حالی کے ایک مضمون مزاح کی ابتدائی سطور پر کچھ اس طرح ہیں:

”مزاح جس کو غلطی سے مذاق کہنے لگے ہیں، انسان کی ایک جبلی خاصیت ہے۔ جو کم و بیش تمام افراد میں پائی جاتی ہے۔ مزاح کو عربی فارسی قوموں میں تین مختلف القابات دیے گئے ہیں یعنی:

- ۱۔ مطائبہ
- ۲۔ خوش منشی
- ۳۔ خوش طبعی

یہ تینوں لقب اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ مزاح کا موضوع لا ”خوشی“ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔“ (۱۲)

عموماً ناقدین حالی کی نثر کو روکھا پھیکا کہتے ہیں تاہم مقالات و مضامین میں اگر حالی کی نثر کا مطالعہ کیا جائے تو شگفتگی، روانی اور متانت عیاں ہوتی ہے جیسا کہ درج بالا مثالوں سے بھی واضح ہے۔ ادبیت مقالات حالی پر حاوی ہے۔ ان کی انشاء پر دازی کا رنگ نہایت منفرد ہے۔ ان کے کچھ مضامین کا ذکر کرتے ہوئے علی احمد فاطمی اپنے مضمون حالی کی معنویت میں رقمطراز ہیں کہ:

”مقالاتِ حالی میں بعض ایسے مضامین بھی شامل ہے، جن پر روعنیت اور انشاء پر دازی کا رنگ غالب ہے۔ اس ذیل میں ”مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات“، ”مزاح“ اور ”زبان گویا“ خصوصیات کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔“ (۱۳)

حالی جس عہد سے تعلق رکھتے ہیں برصغیر کی تمام زبانوں پر مغربی علوم کے اثرات نمایاں نظر آرہے تھے۔ حالی نے مولانا محمد حسین آزاد کے ہمراہ ادب کے تاریخی شعور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی اور ادب کو دانشمندانہ انداز میں ایک سمت عطا کرنے کی کوشش کی۔ وہ کلام میں تصنع، ملمع سازی، بے جالفاظی اور ادبی گری کی بجائے اخلاقیات، جدیدیت، ترقی پذیری اور اثر انگیزی کو ادبیت کے ہم آہنگ کر کے پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انھوں نے عام فہم اور سادہ رواں اور صاف ستھرے اسلوب تحریر کی ترویج کی۔

جس سے اصلی ادبی شان اور تخیلات کے واضح نمونے اخذ ہوئے۔ دیگر اصناف کی طرح مقالات میں بھی ان کی عظمت

بے مثال ہے۔ ان کے تمام تر مقالات کو ادبی شہ پاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آئی کے گجرال اپنے ایک مضمون حالی ادب کا راہبر میں رقمطراز ہیں کہ:

”ان کی جولاں نگاہی معمولی سے معمولی تفصیلات اور جزئیات پر محبت تھی۔ انہیں اپنے تخلیقی مواد میں توازن کا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ بحیثیت فرد ان کی تحریر ہمیشہ معروضی رہی۔ انہوں نے قرابت اور رشتہ داری کو اپنی معروضی تخیلات پر حاوی نہیں ہونے دیا۔“ (۱۴)

مقالات حالی حصہ اول میں تمام تر موضوعات عام فہم اور سادہ بیان و زبان کی روانی اور خیالات و احساسات کی عکاسی کرتے ہیں۔ گہرے عمیق اور پیچیدہ موضوعات کو نہایت ہی خوبصورتی سے آدمیت کا جامعہ پہنانے کی نہ صرف کوشش کرتے ہیں بلکہ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ حالی نے قدامت پرست روایتی تعلیم حاصل کی۔ اس کے باوصف ان کی فکر نے جدت اور زبان میں ہونے والے تغیر و تبدل کو بڑے کھلے دل سے قبول کیا۔

علمی و عمومی مباحث

مقالات حالی حصہ اول کا سب سے اہم اور قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ان کے مطالعے کے بغیر ہم حالی کی شخصیت کے علمی پہلو سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتے۔ حالی کے فکر و نظر کے نہاں خانوں میں اترنے کے لیے اس کے مقالات کی تہوں میں اترنا از حد ضروری ہے۔ یہاں کچھ نکات کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے جو حالی کے مقالات کے معنوی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ عام طور انسانوں کے نفس کے اعتبار سے تین حالتیں بتائی گئی ہیں:

۱۔ نفس امارہ

۲۔ نفس لواامہ

۳۔ نفس مطمئنہ

نفس امارہ سے مراد وہ نفس ہے جو انسان کو سرکش، نافرمان اور باغی بناتا ہے۔

نفس لواامہ اس کو کہتے ہیں جو گناہ کا مرتکب ہونے کے بعد پچھتائے اور لعنت ملامت کرے۔

جب کہ نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو طاعات پر مطمئن اور راضی ہو جائے۔
اگر ہم یوں کہیں کہ مولانا الطاف حسین حالی نفس مطمئنہ کے مالک تھے تو غلط نہیں ہوگا۔ اس امر کی دلیل حالی کے مناجات ہیں جو مقالات حالی میں سرفہرست ہیں۔ اس مناجات میں حالی کا اپنے مالک حقیقی سے اندازِ مخاطب کچھ یوں ہے:

”الہی تیرا کرم وسیع، تیری عنایت شامل، تیرا فیض عام، تیرے ہاتھ کشادہ، تیرا مالک بے زوال، تیرے خزانے بے حساب، تیری نعمتیں سرمدی، تجھ سے کیا کیا مانگیں؟ اور کہاں تک مانگیں؟ دولت کو نین پر راضی ہونا ایسا ہے جیسے بحر قلزم سے پیاس نہ بھرنا۔ تجھ سے دنیا اور آخرت مانگنی ایسی جیسے خوانِ یغما سے بھوکا اٹھنا تیرا گدا نہیں جو ہفت اقلیم کی سلطنت پر لات نہ مارے۔ تیرا بھوکا نہیں جو نعیم جنت کے لیے ہاتھ پسا رہے جس نے تجھ سے تیرے سوا آرزو کی اس نے آرزو کرنی نہ جانی۔ جس نے تیرے عرش اور مادون العرش پر خاک نہ ڈالی اس نے تیری قدر نہ پہچانی۔“ (۱۵)

حالی کا متذکرہ بالا لائقِ توجہ ہے۔ اس کی فی الجملہ صداقتوں سے مفر ممکن نہیں ہے بلاشبہ یہ ایک فکر انگیز تحریر ہے۔ اس کے علاوہ حالی کا ایک خاصا مفصل اور توجہ کے قابل مضمون ”تجارت کا اثر عقل اور اخلاق پر“ ہے۔ اس مضمون میں وہ عام خیالات کو رد کرتے ہیں اور یہ تاثر چھوڑتے ہیں کہ تجارت اور دکان داری سے قومی ذہنی اور عقل و اخلاق کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس حوالے سے وہ رقم طراز ہیں:

”جس طرح بڑے بڑے کامیاب تاجر نوکری کو نہایت حقارت کی نظر دیکھتے ہیں اور اس کو ایک ادنیٰ درجے کی غلامی اور آزادی کی برباد کرنے والی سمجھتے ہیں، اس طرح وہ لوگ جنہوں نے علم و فضل یا مناسب و خدمات کی وجہ سے امتیاز حاصل کیا ہے۔ بیوپار اور دکان داری کو قویٰ ذہنی اور عقل و اخلاق کے حق میں نہایت مضرت بتاتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ تجارت میں ہمیشہ وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں جن کے اخلاق درست اور عقل سلیم ہوتی ہے۔“ (۱۶)

حالی کے علمی و عمومی موضوعات میں ایک مقالہ ”قومی جلسوں میں نغموں کی بھرمار“ بھی شامل ہے۔ یہ مقالہ ان کی قلم

مصودے سے نقل کر کے مقالات حالی میں شامل کیا گیا ہے۔ اس مقالے سے حالی کی زیرک نگاہی اور شعر و ادب سے سخن شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ ایک تفصیلی اور دلائل و امثال سے بھرپور مقالہ ہے۔ جس میں وہ تجارت کے مسائل پر نہایت پر مغز نبی تلی گفتگو کرتے ہیں۔ حالی نہایت متوازن اور عاجز طبیعت کے مالک تھے۔ انہیں منکسر المزاج بھی کہا جاتا تھا۔ وہ تعلی اور عدائیت سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے۔ بجائے اس کے وہ اپنے فہم و فراست کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہر عام و خاص ان کے تبہر و کمال اور رسوخ فی العلم کو نہ سمجھ سکے۔ تاہم حالی کے مقالات ان کے مضامین میں پوشیدہ منطق، فلسفہ اور معنویت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

حالی کے یہ مقالات ان کی شخصیت کے عالمانہ پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ اسی اعتبار سے ان کے مضمون ”موت کے یقین سے ہم کو کیا سبق لینا چاہیے“ سے متعلق ایک اقتباس بھی نقل کیے جانے کے قابل ہے:

”بے شک ہر شخص کو جس طرح اپنے ہونے کا یقین ہے اسی طرح اس بات کا بھی یقین ہے کہ ایک دن ہم نہ ہوں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس پچھلے یقین سے ہم کو کیا سبق لینا چاہیے؟ کیا یہ سبق کہ تمام دنیا کو مع اپنی ہستی کے ناپائیدار سمجھ کر جیتے جی مرجائیں اور خاک ہونے سے پہلے خاک ہو جائیں۔ یا یہ نصیحت کہ اس ناگزیر وقت کے آنے سے پہلے جس قدر مہلت ملے اس کو غنیمت سمجھ کر کچھ ہاتھ پاؤں بلائیں اور خدا کی اس نعمتِ عظمیٰ سے جہاں تک ہو سکے آپ بھی فائدہ اٹھائیں اور اپنے ہم جنسوں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔“ (۱۷)

اس عہد میں جلسوں میں شاعری کی بھرمار ہو چکی تھی لوگ اپنی شہرت کی خاطر یا کسی کو خوش کرنے کے لئے جلسوں میں ایسی نظمیں پیش کرتے تھے۔ جو نا تو مقصدی ہوتی تھی اور نہ ہی ادب میں اضافے کی خاطر کہی جاتی تھی بلکہ وہ محض مفاد پرستی میں تحریر ہوتی تھی۔ حالی نے جیسے معاشرے کی دیگر برائیوں پر پردہ کشائی کی اس طرح شاعری کے بے مقصد استعمال پر بھی قلم اٹھایا۔ مقالے کے اختتامی الفاظ کچھ یوں تھے:

”پس ہمارے نزدیک رائے ثواب یہ ہے کہ مجھن ایجوکیشنل کانفرنس میں تو نظموں کا سلسلہ

بالکل ختم منقطع ہو جانا چاہیے لیکن انجمن حمایت اسلام میں ابھی اس سلسلہ کا بالکل منقطع ہونا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے لیکن جیسے کے پیسہ اخبار کی رائے ہے وہ ابھی اس دستور کو بتدریج گھٹانا چاہیے اور بجائے نظموں کے مذہبی آوازوں اور مفید لیکچروں کو رفتہ رفتہ ترقی دینی چاہیے۔“ (۱۸)

درج بالا اعتبار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حالی جس عہد میں قوم کی اصلاح اور مذہب کے احیاء کی کوشش کر رہے تھے وہاں دیگر شعراء اور قلم کار محض اپنی وقتی مفادات کو ترجیح دے رہے تھے لیکن حالی چونکہ ایک تنقیدی انداز نظر کے حامل تھے لہذا انھوں نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے یہ مقالہ تحریر کیا۔

اس مقالے میں وہ فلسفہ موت پر بحث کرتے ہوئے صوفیا کا ذکر بھی کرتے ہیں اور شعراء کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ وہ مختلف طبقات کا خیال بتا کر زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری یا ابدیت پر فلسفیانہ منطقی انداز میں روشنی ڈالتے ہیں۔ حالی کے مقالات ہمیشہ منطقی موضوعات پر دلالت کرتے ہیں اور اپنے ظاہری اور باطنی معنوں سے ہر گز تجاوز نہیں کرتے۔

پہلے وہ اپنی بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس کے بعد دلیلوں اور مثالوں کے ساتھ اپنے نظریے کو مضبوط کرتے ہیں۔ اس دوران ان کا انداز بیان ادعائی نہیں بلکہ تجزیاتی ہوتا ہے اور ان کے لہجے میں نرمی، متانت اور منطقیت ہوتی ہے۔ حالی کی نظر معاشرے میں موجود تمام برائیوں اور اخلاقی و اقداری پستیوں کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ دیگر معاملات کی طرح اس عہد میں ذریعہ ابلاغ محض اخبار نویسی ہی تھا اور اس شعبے میں بھی اخبار نویس اپنی ذمہ داریوں سے کوتاہی برت رہے تھے۔ حالی نے اپنے قلم کے ذریعے اخبار نویسوں کو اپنے فرائض سے آگاہ کیا اور اخبار نویسی کے اصول مرتب کیے۔ ان کا ذہن بہت مرتب اور منظم تھا یوں گمان ہوتا تھا کہ وہ اپنے نظریات کو صفحہ قرطاس کے حوالے کرنے سے پہلے منظم و مرتب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے مقالات میں طوالت، پیچیدہ بیانی اور تضادات جیسے عیوب دکھائی نہیں دیتے۔ بجائے اس کے وہ آغاز ہی سے اپنا مدعا اپنے قاری پر واضح کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کے مضمون ”اخبار نویسی اور اس کے فرائض“ کی ابتدائی سطروں کو نقل کرنا انتہائی مناسب ہو گا۔ اس مقالے کے ابتدائی حصے میں مثال دے کر اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

”بہ خلاف اخبار نویسی کے پانے فرائض کی بجا آوری کے لیے بے شمار لیاقتوں کی ضرورت

ہے۔ ہماری نزدیک کسی شخص کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اخبار نویسی کی پوری لیاقت رکھتا ہے گویا اس امر کو تسلیم کر لینا ہے کہ اس کی ذات میں ہر قسم کی لیاقت اور فضیلت موجود ہے۔ اخبار نویس قطع نظر اس کے کہ قوم کا ناصح ملک کا وکیل اور گورنمنٹ کا مشیر ہوتا ہے وہ ایک قسم کا تاجر بھی ہے۔ جس کو کم از کم مصارف اخبار اور اپنے حوائج ضروریہ کے لیے اپنی محنت کا معاوضہ ملک سے وصول کرنا پڑتا ہے پس جس طرح آزادی، انصاف اور دیانت اس کی ذات میں ہونی ضروری ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کے انداز بیان اور طرز تحریر میں ایک قوت مقناطیسی کا ہونا بھی ضروری ہے جس سے پبلک کے دلوں میں فتح حاصل کر سکے۔“ (۱۹)

گویا حالی کو اپنا مدعا اپنے قاری تک پہنچانے میں زیادہ دقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ ایسا عام فہم انداز تحریر اپناتے ہیں کہ جس سے تمام تر معانی و مفہیم واضح ہو جاتے ہیں۔

حالی کی علییت پر کسی طور شک نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اردو نثر کے میدان میں گراں قدر خدمات سر انجام دینے والی معروف شخصیت ہیں۔

اکثر قلم کار مکمل کتب لکھنے کے علاوہ مقالات و مضامین بھی لکھتے ہیں۔ حالی نے بھی مختلف موضوعات پر کئی مضامین لکھے جس میں انھوں نے قریباً ادب سیرت کے علاوہ مختلف علمی موضوعات کو باندھنے کی کوشش کی۔ ان کے انہی مضامین میں سے کچھ فن پارے اور تقاریر شامل ہیں۔ ان مضامین میں سے زیادہ تر مضامین سرسید احمد خان اور علی گڑھ تحریک کی صدائے بازگشت ہیں جن کا مخاطب برصغیر کے مسلمان ہیں۔ وہ تمام ادبی صلاحیتوں کے ساتھ متفرق موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ ان مقالات میں ان کے ”ترجمہ حالی“ کے عنوان سے مختصر سوانح عمری بھی شامل کی گئی ہے۔ اس میں وہ اپنی زندگی سے متعلق تمام ضروریات کو اختصار کے ساتھ نہایت عمدگی سے پیش کرتے ہیں۔ اس قدر طویل موضوع کو اس قدر مختصر پیرایہ میں بیان کرنا خاصا دشوار اور پیچیدہ کام تھا جس کو حالی نے بڑی چابکدستی کے ساتھ سہل بنادیا۔ مقالات حالی میں شامل ترجمہ حالی کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

”اپنی مختصر سوانح عمری مولانا نے ۱۹۰۱ء میں نواب عماد الملک بہادر کی فرمائش پر لکھ کر حیدرآباد بھیجی تھی جن سے ان کے کسی دوست نے لندن سے مولانا کے حالات کے منگائے تھے۔ مولانا نے ان حالات کی ایک نقل اپنے مسہ ”دیوان حالی“ کے ابتدائی اوراق پر لکھ لی وہیں سے یہ نقل لے کر یہاں درج کی جاتی ہے۔“ (۲۰)

مقالات حالی میں شخصیات

حالی نے سیرت نگاری کے حوالے سے ایک باضابطہ طرز نگارش متعارف کرایا ہے۔ جس میں وہ زندگی کے تمام تر حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ وہ مختلف انداز تحریر اپناتے ہوئے متعلقہ موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ حالی نے اپنے استاد مرزا اسد اللہ خان غالب کی سیرت لکھی جو سیرت نگاری کی عظیم ترین مثال ہے۔ بعد ازاں انھوں نے جاوید اور غالب کی سوانح کے بعد حالی نے حیات سعدی پر بھی وضاحت سے معلومات فراہم کی ہیں۔

ادبی دنیا میں سوانح کو اس لیے اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے بڑی بڑی شخصیات کی ذاتی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ان شخصیات کی خامیوں اور خوبیوں کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ حالی نے باقاعدہ طور پر اس ضمن میں ادب کی خدمات کا عزم کیا اور سوانح نگاری میں منفرد مقام پایا۔ حالی نے بنیادی طور پر تین شخصیات کا انتخاب کیا ان میں سے ایک عظیم شاعر، اور دو مصلح قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم ان تین تفصیلی تصنیفات کے علاوہ حالی کے مضامین میں بھی چھوٹے چھوٹے شخصی خاکے ملتے ہیں۔ جن میں اول الذکر سرسید احمد خان پر حالی کے مضامین جو کہ مقالات حالی میں شامل تھے اہمیت کے حامل ہیں۔

اس کے علاوہ حالی کی اپنی مختصر سوانح ”ترجمہ حالی“ بھی اہمیت کی حامل ہے۔ دیوان حافظ کی ”فائلیں“ کے عنوان سے مضمون بھی اہمیت رکھتا ہے جب کہ تقی الدین ابن تیمیہ حرافی خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔ صفی الدین ابن تیمیہ حرافی مولانا کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئے قلمی مسودوں سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ یہ مضمون انھوں نے کس حال میں لکھا اور یہ بات بھی تکلیف دہ ہے کہ یہ مضمون مکمل نہیں ہے۔ نہ جانے کس وجہ سے مولانا الطاف حسین حالی اس مضمون کو مکمل نہ کر سکے۔ بہر کیف جتنا مضمون مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا میسر ہوا وہ مقالات حالی میں شامل کر دیا گیا۔

مضمون کے ابتدائی حصے میں حران جو بلاد شام میں ایک شہر ہے وہاں چھٹی اور ساتویں ہجری میں ایک نامور خاندان کا ذکر کیا گیا ہے جو اہل علم تھا۔ اس خاندان کا تعارف بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام تقی الدین ابن تیمیہ کی ولادت کا بیان ہے۔

تیسرے حصے میں والدین کی ہجرت اور ابن تیمیہ کی دمشق آمد کے ذیل میں معلومات درج ہیں۔

چوتھے حصے میں ابن تیمیہ کے بچپن کا احوال اور تحصیل علوم کا ذکر کیا گیا ہے۔

پانچویں حصے میں ان کی شخصیت کے مختلف پہلو جن میں ذہانت، پرہیزگاری اور شوقِ علم شامل ہیں پر وضاحت کی گئی ہے۔

چھٹے حصے میں قوتِ مناظرہ کا بیان ہے۔

ساتویں حصے میں بچپن میں ہی فتویٰ نویسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

آٹھویں حصے میں باپ کے انتقال اور ابن تیمیہ کے حلقہ درس کی معلومات درج ہیں۔

نویں حصے میں شہرت اور مقبولیت کا ذکر ہے۔

دسویں حصے میں فضل و کمال پر تفصیل سے متن درج کیا گیا ہے یہ حصہ اس مضمون کا آخری گوشہ ہے۔

مضمون میں حالی نے نہایت مختصر لیکن جامع انداز میں ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی کو رقم کیا ہے۔ وہ ان کی ذہانت کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

”اس زمانے کے فضلا ابن تیمیہ کی ذہانت اور قوتِ حافظہ اور سرعتِ انتقال دیکھ کر حیران تھے اور اسی کے ساتھ اخلاق، فطرت، نہایت اعلیٰ درجے کے پائے تھے۔ پارسائی، تقویٰ، خدا پرستی، کھانے پینے میں میانہ روی، والدین کی اطاعت، عبادتِ الہی کا شوق، ہر وقت خدا کی طرف لو لگائے رکھنا، حدودِ الہی سے کبھی تجاوز نہ کرنا، نیک باتوں کی ترغیب دینا اور بری باتوں سے روکنا یہ سب خوبیاں پوری پوری ان کی ذات میں پائی جاتی تھیں۔ ان سے ان کی

کبھی سیری نہیں ہوتی تھی اور مطالعہ کی پیاس کبھی نہ بجھتی تھی ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ انھوں نے کسی مضمون کی طرف توجہ کی ہو اور غیب سے فحیابی نہ ہوئی ہو۔“ (۲۱)

حالی ان قلم کاروں میں سے ہیں جنہوں نے سوانح نگاری و مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اس حوالے سے ”حیات جاوید“، ”حیات سعدی“ اور ”یادگار غالب“ ان کے عظیم کارنامے ہیں۔ ان سوانح عمریوں کے علاوہ حالی کے کچھ مضامین بھی سوانح حیات و سیرت نگاری پر ملتے ہیں جن میں سے اوپر کچھ مضامین پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے والی ان چند نامور شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جو شاعر بھی ہیں نقاد بھی اور ادیب بھی۔ مولانا الطاف حسین حالی اردو زبان و ادب کے محسن ہیں۔ اس میدان میں ان کے پیدا کیے ہوئے انقلابات ہمیشہ صف اول کے کارناموں میں گنے جائیں گے۔ انھوں نے نہ صرف اردو شاعری کے میدان میں منفرد مقام پایا بلکہ نثر کے میدان میں بھی گراں مایہ خدمات سرانجام دیں۔ اس ضمن میں بالخصوص مقالات حالی قابل ذکر ہیں۔ یہ مقالات آئندہ لکھاریوں کے لیے راستے ہموار کرتے ہیں۔ زبان و بیان کے علاوہ معنوی اعتبار سے بھی یہ مقالات اپنی مثال آپ ہیں۔ حالی کے نثر کے میدان میں کمالات کا اندازہ درج ذیل بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

”اردو شاعری میں جو انقلاب انہوں نے پیدا کیا اس کا احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ اردو نثر بھی ان کی بہت کچھ زیر بار منت ہے۔ ان سے پہلے اردو نثر کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ جو ان کی بدولت ہوا۔ ان کی نثر نہایت سلیقہ و تلی اور متین ہوتی ہے۔ ان میں ضبط اور اعتدال ایسا ہے جو بڑی مشکل سے نصیب ہوتا ہے اور صرف بڑے بڑے اساتذہ ہیں اس پر قادر ہو سکتے ہیں۔ ورنہ اکثر اچھے اچھے انشاء پرداز اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر کہیں سے کہیں بھٹک کر نکل جاتے ہیں اور غیر متعلق باتیں کہنے لگتے ہیں۔“ (۲۲)

مولانا الطاف حسین حالی بے محل اور بے ڈھنگی گفتگو سے گریز کرتے ہیں۔ وہ کبھی بھی بغیر کسی ضرورت کے خواہ مخواہ کے موضوعات کو اپنی نثر کا حصہ نہیں بناتے بلکہ اپنے خیالات کی کام سے خالص موضوعات چنتے ہیں اور اپنے لفظوں میں اور دلائل کی تپش سے انہیں کند بن کر نہایت پر معنی فن پارے کی شکل میں صفحہ قرطاس کے حوالے کرتے ہیں۔ سیاہ حالی صرف

ان موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں جن کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اس انداز سے لکھتے ہیں کہ بات سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔

حالی کے انداز نگارش کے حوالے سے مولوی عبدالحق فرماتے ہیں کہ:

”یہ گر مولانا حالی سے سیکھنا چاہیے۔ انہیں لفظ کے صحیح اور بر محل استعمال میں کمال حاصل ہے۔ بعض وقت وہ ہندی کا پرانا یا کوئی غریب لفظ استعمال کر جاتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا بر محل ہوتا ہے کہ کلام میں جان پڑ جاتی ہے۔“ (۲۳)

یہ حقیقت ہے کہ مضامین کی اختراع سرسید احمد خان کی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اردو مضامین کا بانی سرسید احمد خان کو سمجھا جاتا ہے لیکن اردو نثر بالخصوص انشاء پر دازی میں جو مقام و مرتبہ حالی نے پایا ہے وہ ان کے ہم عصر ادباء میں سے کوئی بھی نہیں حاصل کر سکا۔

اگر ہم حالی کے مضامین کے تناظر میں دیکھیں تو مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقالات حالی ایسی تحریریں ہیں جو حالی کے شعور، ذہنی ارتقا اور خیالات کو نظریات کو سمجھنے میں بہت حد تک معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اپنی تحریروں کے مقاصد و معانی کو واضح کرنے کے لئے حالی نے جس زبان و بیان کا سہارا لیا ہے وہ قاری کے لئے آسانی پیدا کرتے ہیں اور ادبیت سے بھرپور ہیں۔

اس لئے اگر کوئی قاری فکر و نظر کے ساتھ حالی کے مقالات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ حالی کے ادبی و تنقیدی اور معنوی شعور کی پرتوں کو باسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہی نہیں حالی فکر و نظر کے ساتھ ساتھ اپنی تحریروں میں ایسے موضوعات کو شامل کرتے ہیں جو خالصتاً ادبیت کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کئی ادبی مقالات تحریر کیے جن میں سے کچھ مقالات حالی میں بھی شامل ہیں۔ ان مقالات کا مطالعہ کر کے ہم مولانا الطاف حسین حالی کی ادبی سطح کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ حالی گہرے معانی کو ادبیت کے خوبصورت سانچے میں ڈال کر اپنے نظریات کو قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

سرسید کی صحبت میں مولانا الطاف حسین حالی ایک ذہنی معمار بن گئے تھے۔ ان کے مقالات میں جب الوطنی اور قومی ترقی کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

انھوں نے اپنے مضامین میں قرون اولیٰ کی حق گوئی پسندی مسلمانوں میں مسئلہ خیرات، بدگمانی اور الدین یسر وغیرہ جیسے مقالات شامل کیے جن میں مذہب کی عظمت اور اس کی اخلاقی اقدار کا احترام کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ بہترین اجتماعی

حیات ممکن ہو سکے۔

اس کے علاوہ سرسید کے نظریات پر حالی نے اپنے مقالات میں روشنی ڈالی ہے۔ سرسید کی ادبی و علمی خدمات پر تفصیل سے گفتگو کر کے اردو زبان و ادب میں اور برصغیر کی اسلامی و معاشی تاریخ میں ان کے مقام و مرتبے کا تعین کیا ہے۔ حالی کی یہ تحریریں پرکاری و بناوٹ سے پاک ہیں۔ وہ خود بھی ادب میں پرکاری، تضح، بناوٹ اور آرائش سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ترغیب بھی دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں سادگی، فطری انداز اور سلاست کو اپنا کر ترسیل و ابلاغ کے دائرے کو وسعت دی جاسکتی ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ شمیم جہاں (مضمون): ”سرسید اور حالی کی اصلاحی و تعلیمی تحریک و نظریات“ مشمولہ ”حالی شناسی“ (مرتبہ) نمش تبریزی، ہریانہ اردو اکیڈمی، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۱
- ۲۔ ظہیر احمد: بدعوانی ”تحقیقی مطالعہ حالی (حالی کی زندگی اور ادبی کارناموں پر جامع و مفصل بحث)“ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۵۶ء، ص ۹۵
- 3۔ <https://adbimiras.com/haali-ki-nasr-ghair-afsanvi-adab-ki-misali-usloob-dr-safdar-imam-quadri/20-01-2023/2:20pm>
- ۴۔ الطاف حسین غالی: ”یادگار غالب“ اردو اکادمی، اتر پردیش، ۱۹۸۶ء، ص ۱-۲
- 5۔ <https://adbimiras.com/haali-ki-nasr-ghair-afsanvi-adab-ki-misali-usloob-dr-safdar-imam-quadri/20-01-2023/2:20pm>
- ۶۔ پروفیسر نذیر احمد: ”الطاف حسین حالی تنقیدی و تحقیقی جائزے“ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۴۰۳
- ۷۔ الطاف حسین حالی: ”مقالات حالی“ انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۷
- ۸۔ ایضاً، ص ۵۲

- ۹۔ پروفیسر حفیظ الرحمن خان: ”مولانا الطاف حسین حالی کی ”شواہد الالہام کا“ تحقیقی مطالعہ "Caarwan"
<https://caarwan.com/3-2-2023/2:00pm>
- ۱۰۔ الطاف حسین حالی: ”مقالات حالی“ انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۱
- 11۔ <https://www.taameernews.com/2022/08/analysis-maulana-hali-and-new-critical-consciousness5-12-2022/2:00>
- ۱۲۔ الطاف حسین حالی: ”مقالات حالی“ ص ۱۳۸
- ۱۳۔ پروفیسر نذیر احمد: ”الطاف حسین حالی تنقیدی و تحقیقی جائزے“ ص ۳۶۶
- ۱۴۔ ایضاً
- ۱۵۔ الطاف حسین حالی: ”مقالات حالی“ ص ۹-۱۰
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۲۲۷
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۱۵۸
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۲۸۰
- ۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۳
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۲۵۹
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۳۰۲
- ۲۲۔ مولوی عبدالحق: ”افکار حالی“ انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۰
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۱۲۱